ایران امریکہ تعلقات

کیا بہتری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں؟

جیمس اے ناتھن اور ایلڈن گریفیتھس *

ترجمہ: مسلم سجاد

یہ جون ۱۹۹۸ء کی جھلتی گرمیوں کا ایک دن تھا۔ ایران کے دور دراز گوشوں سے سیکڑوں میل کا سفر کر کے، بلکہ وسط ایشیا سے ہزاروں میل کا سفر کر کے، بسوں، ٹرینوں اور ہر طرح کی سواریوں میں اُمڈے چلے آنے والے عشاق کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ یہ سب لوگ انقلاب ایران کے بانی آیت اللہ خمینی کی نویں برسی کی تقریبات میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ تقریبات میں یہاں حج جیسا تقدس اور سنجیدگی، شہزادی ڈیانا کے جنازے جیسی جذباتیت اور میڈیا کا دیوانہ پن اور ۱۹۹۵ء کے واشنگٹن کے ملین مین مارچ جیسے انتظام اور صفائی کے اہتمام کا امتزاج نظر آتا تھا۔

ہم تین افراد کے وفد کے لیے یہ زندگی کا ایک ایسا تجربہ تھا جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ شاید اس طرح کی تقریبات میں شریک ہونے والے مغربی افراد ہم ہی تھے۔ ہم ایک خصوصی بس میں جس پر غیر ملکی وی آئی پی لکھا تھا، سوار ہوئے۔ اس کے لیے ہم جوتے اتار کر مسجد میں گئے۔ ہماری رہنمائی صافہ باندھے ہوئے ترکمانستانی ملا کر رہا تھا جو انگریزی میں بات نہیں کرتا تھا۔ یہاں ہم ایک ایکڑ جتنے وسیع ایرانی قالین پر تین گھنٹے تک آلتی پالتی مار کر گھٹنے موڑے بیٹھے رہے۔

عقیدت مند رخصت ہو جانے والے آیت اللہ کے لیے آہ و بکا کر رہے تھے۔ امام کی بڑی بڑی تصاویر سے گھرے ہوئے، وہ مسلسل اپنے سینوں پر ہاتھ مار رہے تھے۔ درمیان میں وہ ہوا میں مکے لہرا کر مرگ بر یہود اور مرگ بر امریکہ کے نعرے لگاتے تھے۔ ۱۵ لاکھ افراد کا مجمع نعرے لگاتا تھا تو مسجد کے آس

* James A. Nathan and Eldon griffiths, "Is It Time to Bury the Hatchet with Iran?, *USA Today*, Jan. 99, pp. 22-24

پاس کے باغات تک گونج جاتے تھے۔ شکر ہے کہ ۱۰۰ درجہ فارن ہیٹ گرمی سے بچاؤ کے لیے ہمارے سروں پر کینوس بطور چھت لگا ہوا تھا۔

ہم نے ضرورت سے زیادہ کپڑے پہن رکھے تھے اور کئی نوجوان ملا ہمیں رحم آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ہمارے اوپر بھی عرق گلاب کا چھڑکاؤ کیا جو وہ مجمع کو خنک اور تر کرنے کے لیے کرتے پھر رہے تھے۔ یہ ایئر کنڈیشنگ مؤثر ثابت ہوئی۔ پھر بھی کچھ لوگ بے ہوش ہوئے جنہیں تیزی سے اسٹریچروں پر مسجد سے باہر لے جایا گیا۔

کئی گھنٹے گزر گئے۔ نصف النہار کے وقت اصل خطبہ کا آغاز ہوا جو آیت اللہ خمینی کے جانشین نے دیا۔ سپریم لیڈر آیت اللہ خمینائی کی طبیعت ناساز تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے بیٹھ کر خطاب کیا اور شکر ہے کہ صرف ۱۰ منٹ کیا۔ پھر تقریب ختم ہوگئی۔

ہماری بس گرمی کے ستائے ہوئے زائرین سے گزرتی رہی۔ سڑکوں اور پارکوں میں ایرانیوں کے جم غفیر یاد کے اس دن کو اعزہ و احباب کے ساتھ چھٹی کے دن کے طور پر منا رہے تھے۔ وہ ایک ایسے ملک میں تفریح کے موقع سے فائدہ اٹھا رہے تھے جہاں تفریحی سرگرمیاں خفیہ اور بعض وقت خطرات مول لے کر منائی جاتی ہیں۔

> اقتدار کے اکثر مراکز پر قابض ملا امریکہ مخالف جذبات کو زندہ رکھنے پر مصر ہیں، جو ۱۹۷۹ء میں امریکی سفارت خانے پر قبضے کے بعد سے انقلاب سے وفاداری کا بنیادی عنصر رہے ہیں اور ان دو ملکوں کے تعلقات کو زہر آلود کر رہے ہیں جو کبھی دوست ہوا کرتے تھے اور جنہیں پھر دوست ہونا چاہیے۔

ان تقریبات میں شرکت اور شمالی تہران کے مقام کی زیارت کے ہمارے تجربات، جہاں آیت اللہ نے زندگی گزاری اور وفات پائی، ہمارے لیے بڑے چشم کشا اور پریشان کرنے والے تھے۔ کسی کو اس عقیدت بلکہ پرستش کے ان جذبات میں کوئی شبہ نہیں جو لاکھوں ایرانی اس انقلابی لیڈر کے لیے اپنے دلوں میں رکھتے ہیں جس نے ۱۹۷۸ء میں شاہ ایران کو اس کے تخت سے محروم کیا۔ امریکہ کے ساتھ بہتر تعلقات کے حالیہ تذکروں کے باوجود، کسی کو اس بات میں شک ہوسکتا ہے کہ ملا، جو اب بھی ایران میں اقتدار کے اکثر مراکز پر قابو رکھتے ہیں، امریکہ مخالف جذبات کو زندہ رکھنے پر مصر ہیں، جو ۱۹۷۹ء میں امریکی سفارت

خانے پر قبضے کے بعد سے انقلاب سے وفاداری کا بنیادی عنصر رہے ہیں اور ان دو ملکوں کے تعلقات کو زہر آلود کر رہے ہیں جو کبھی دوست ہوا کرتے تھے اور جنہیں پھر دوست ہونا چاہیے۔

ایران پر امریکہ کا الزام ہے کہ وہ دہشت گردوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مشرق اوسط میں امن کی کوششوں کو خراب کرتا ہے اور تباہ کن اسلحہ حاصل کر رہا ہے۔ محکمہ خارجہ کی امریکیوں کو ہدایت ہے کہ ایران نہ جائیں۔ ایران جو امریکی الزامات کو مسترد کرتا ہے، امریکہ کو سب سے بڑا طاغوت قرار دیتا ہے۔ اس کی مذہبی قیادت امریکہ کی مذمت کرتی ہے۔ شکایات بہت ہیں۔ سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ امریکی اور برطانوی خفیہ ایجنسیوں نے ایران کے پہلے قوم پرست ہیرو ڈاکٹر محمد مصدق کی حکومت کا تختہ الٹا۔ دوسری بڑی شکایت ۸۰ء کے عشرے میں ایران عرب جنگ میں، امریکہ کا عراق کی طرف جھکاؤ ہے۔ ۱۹۸۷ء تک جب جنگ ختم ہوئی ہے ۳لاکھ ایرانی ہلاک ہو چکے تھے۔ ان میں سے کئی عراق کے کیمیائی ہتھیاروں کا نشانہ بنے تھے۔ آج، معتدل ایرانی بھی یقین رکھتے ہیں کہ امریکی پالیسی میں اسرائیلی مفادات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

> طویل عرصے سے سیاسی، مذہبی، اقتصادی طور پر تنہائی محسوس کرنے کے بعد اب بیشتر ایرانی نیا صفحہ الٹنے کے لیے تیار ہیں۔

ہمیں بار بار بتایا جاتا تھا کہ یہ صیہونی سازش، ایران پر اقتصادی پابندیوں کے ذریعے، اس انقلاب کو تباہ کرنے کے لیے ہے۔ اسرائیلی اسلحہ کا معیار اور اسرائیل کے لیے امریکہ کی حمایت اس کے ثبوت کے طور پر پیش کیے تھے جبکہ مصر کے لیے اور امن کے عمل کے لیے امریکہ کی حمایت کو نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔ اسی سازش کا مزید ثبوت ایران کے اندرون اور بیرون ملک مخالفین کے لیے سی آئی اے کی مزعومہ حمایت ہے۔ ان میں سے کچھ نے ان تقریبات کی رات میونسپل کورٹ کی عمارت اور ایک صنعتی کارخانے پر دھماکہ کیا۔ دھماکے سے آسمان روشن ہو گیا۔ اپنے ہوٹل کی بالکونی سے ہم نے آواز سنی جو پہلے آتش بازی پھر گرج پھر گولوں کی آوازیں محسوس ہوئیں۔ اگلی صبح ایک پرجوش آواز نے فون پر ہمیں بتایا کہ اس نے دھماکوں اور نقصانات کے بارے میں اسرائیل ریڈیو سے سنا ہے۔

اس پس منظر میں ہمارے دورے کا مقصد، جو خالصتاً نجی اور غیر سرکاری تھا، یہ جائزہ لینا تھا کہ کیا یہ ممکن ہے یا نہیں کہ کچھ الزامات کو ایک طرف رکھ دیا جائے۔

یہ ایسے وقت پر تھا کہ تہران اور واشنگٹن میں اہم تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

مسئلہ یہ تھا: کیا وقت آ گیا ہے کہ ایران اور امریکہ کے درمیان دشمنی کو دفن کر دیا جائے۔ اعلیٰ سرکاری افسران، مذہبی رہنما اور عام شہریوں سے گفتگو کے نتیجے میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بہتر تعلقات کا موقع موجود ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جیسا کہ سب مؤرخ جانتے ہیں کہ سب انقلاب جلد ہی قوت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ پہلے جوش اور خون ہوتا ہے۔ پھر استحکام --- اور پھر ردعمل سامنے آتا ہے۔ ایران میں انقلابی استحکام اب اپنے اختتام کے قریب ہے۔ سادہ حقیقت یہ ہے کہ نفرت، تلخ یادوں اور اسلامی انقلاب کے لیے جوش و جذبہ اب ختم ہو چکا ہے۔ معیشت کا حال دگرگوں ہے۔ ایران میں ترقی کی حکمت عملی، بعض ماہرین کے مطابق دراصل پردے میں سوشلزم ہی ہے۔ بیشتر معاشی سرگرمی، سرکاری سرپرستی میں ہے۔ کوئی بھی صحیح معیار پر کام نہیں کر رہی۔ سرمایہ کاری کی حالت بھی خراب ہے اور صنعتی دنیا نے تیل کی ضروریات کے لیے دوسرے متبادل ذرائع تلاش کر لیے ہیں۔ پیداوار کے لحاظ سے ایران دوسرے نمبر پر چلا گیا ہے اور تیل کی آمدنی جو اقتصادیات کی اصل بنیاد ہوتی تھی، اب شاہ کے زمانے کے مقابلے میں بے حد کم رہ گئی ہے۔ ترکی اور ایران انقلاب سے قبل ترقی کی تقریباً ایک ہی سطح پر تھے۔ اب ترکی ۵۰ فیصد زیادہ دولت کے ساتھ بہت آگے چلا گیا ہے۔ طویل عرصے سے سیاسی، مذہبی، اقتصادی طور پر تنہائی محسوس کرنے کے بعد اب بیشتر ایرانی نیا صفحہ الٹنے کے لیے تیار ہیں۔

> ایران میں انقلابی استحکام اپنے اختتام کے قریب ہے۔ سادہ حقیقت یہ ہے کہ تلخ یادوں اور اسلامی انقلاب کے لیے جوش و جذبہ اب ختم ہو چکا ہے۔

جون ۱۹۹۸ء میں، ایران امریکہ کے اہم فٹ بال میچ سے قبل، سیکرٹری خارجہ البرائٹ اور صدر کلنٹن نے ایران سے تعلقات بہتر کرنے کے لیے اپنی رضامندی کا کھلا اظہار کر دیا تھا۔ اسے مذہبی رہنماؤں اور دوسرے بااختیار عناصر کی طرف سے فوراً ہی مسترد کر دیا گیا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امریکیوں کے لیے ویزے پر بعض معاملات اور امریکہ مخالف رائے کے اظہار جذبات کے باوجود، ایرانی صدر محمد خاتمی کا اقوام متحدہ کے اجلاس کے موقع پر دورۂ نیویارک صلح کے لیے قدم اٹھانے کا موقع ثابت ہو

سکتا ہے۔

صدر خاتمی نے ایک مبہم مصالحاتی تقریر کے بعد پریس کانفرنس میں کہا کہ جب تک واشنگٹن ان کے ملک سے اپنا رویہ بدلنے کے لیے ٹھوس اقدامات نہیں کرتا ایران امریکہ سے سیاسی مذاکرات کے آغاز کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا --- انہوں نے مزید کہا کہ ان کی دونوں ملکوں کے درمیان ثقافتی تبادلوں کی تجویز کو غلط سمجھا گیا ہے اور اس کا مطلب حکومتوں کے درمیان گفت وشنید نہیں تھا۔ اس کے باوجود غیر سرکاری مذاکرات جاری ہیں۔

لی ہملٹن نے، جو امور خارجہ کمیٹی میں اہم ڈیموکریٹک رکن ہیں، کہا: کسی ملک نے امریکہ کو اتنا صدمہ اور تکلیف نہیں پہنچائی ہے جتنی ایران نے۔ تاہم دونوں ملکوں میں تصادم کی فضا نے ان کے عوام کو، جو کبھی دوست تھے، کوئی فائدہ نہیں پہنچایا ہے۔

بروس لین گن (Bruce Laingen) اور بیری روزن (Barry Rosen) کے بھی اسی طرح کے خیالات ہیں۔ روزن، جو ۱۹۷۹ء میں سفارت خانے میں ۴۴۴ روز یرغمال رہے، یہی کہتے ہیں: اب ہم ایک دوسرے کو سگنلز بھیج رہے ہیں۔ اندازہ کر رہے ہیں کہ ہم کسی طرح بات کا آغاز کریں، اس سے قطع نظر کہ کیا بات کریں۔ میں مکالمے کے لیے زور دے رہا ہوں --- اس لیے نہیں کہ میرا ایرانی حکومت کی طرف کوئی جھکاؤ ہے بلکہ اس لیے کہ میں اسے امریکی مفاد میں سمجھتا ہوں۔

ایران کا بدلتا ہوا منظر

سفارت خانے پر قبضے کے بعد سے، تہران بدل چکا ہے خواہ دیواروں پر تبلیغی عبارتیں اور ملاؤں کے ناخوش گوار چہرے ہی چسپاں ہوں۔ خواتین سے اب بھی پبلک میں جسم کے ہر انچ کو ڈھکنے کو تقاضا ہوتا ہے، گو کہ کریک ڈاؤن کی صورت حال میں کچھ نرمی آ گئی ہے۔ شہر کی آبادی چار گنا بڑھ کر ایک کروڑ دس لاکھ ہوگئی ہے۔ کوہ دماوند کی ۱۸ ہزار ۶ سو فٹ چوٹی کے دامن میں سیکڑوں سکائی سکریپر ابھر آئے ہیں جن میں سے نصف آباد نہیں ہیں۔

تہران کی شاہراہوں پر ہوٹلوں کی لائن ہے، اکثر ٹریفک جام رہتا ہے پٹرول ۶ روپے گیلن ہے۔ دارالحکومت کے جنوب اور مشرق میں صنعتی علاقہ ہے جہاں ساتھ ہی غریبوں کی جھگیاں ہیں۔ لاکھوں سابق

کاشت کاران میں رہتے ہیں، یہاں نہ اسکول ہیں، نہ ہسپتال، نہ صفائی کا انتظام۔ حال ہی میں نئے نوجوان میئر غلام کرباشی نے پارک اور کلینک بنا کر اور راستوں کو وسعت دے کر تہران کی حالت تبدیل کرنے کی ایک کوشش کی ہے۔ اس کے لیے سرمایہ مہیا کرنے کے لیے اس نے تہران کے بڑے تاجروں سے رقومات حاصل کیں جن کی وجہ سے اس پر کرپشن کے الزامات لگے اور اسلامی عدالت نے اسے سزا دے دی۔ عدالتی کارروائی ٹی وی پر دکھائی گئی۔ اسے عموماً علامتی سمجھا گیا اس لیے کہ کرباشی کے گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ایک سال قبل خاتمی کے انتخاب کے موقع پر اس کی حمایت میں تہران کی دیواروں پر خوب پوسٹر لگوائے اور اس کے لیے ووٹ حاصل کیے۔

امریکہ کی اقتصادی پابندیاں، جنہیں باقی دنیا نے بالعموم نظر انداز کیا ہے، کوئی قابل ذکر اثر پیدا نہیں کر سکی ہیں۔ ایران کے معاشی امراض اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں جو تیل کی قیمتوں میں کمی سے بگڑ گئے ہیں۔

پس منظر میں، جیسا کہ ہمارے ایک میزبان نے کہا: روح اسلام کے لیے کش مکش جاری ہے۔ ایک طرف خود ساختہ انقلاب کے محافظ ہیں جن کی طرح کے لوگوں کے ساتھ ہم نے خمینی کی تقریبات میں شرکت کی۔ دوسری طرف ایرانیوں کی نئی نسل ہے جو خاتمی کی شروع کی ہوئی حوصلہ افزا اصلاحات کی رفتار تیز کرنے کا عزم رکھتی ہے۔

کیا خاتمی کو کامیابی ہوگی؟ امریکہ نے جو راستہ کھولا تھا، وہ کھلا نہیں ہے۔ روس اور چین، ایران کو میزائل ٹیکنالوجی فراہم کر رہے ہیں۔ اخبارات میں آ رہا ہے کہ ایران نے ۱۹۹۲ء میں روس سے چار استعمال کے قابل ایٹمی ہتھیار حاصل کیے ہیں اور خود مزید تیار کرنے کی استعداد حاصل کر رہا ہے۔

آخر کار، ایران کی سمت کا تعین دو کلیدی امور پر منحصر ہے۔ معیشت اور امریکہ سے تعلقات۔

ایران انسانی وسائل سے مالا مال ہے۔ اس کی ۳ کروڑ بیس لاکھ کی افرادی قوت میں اب اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین، ماہر دستکار، معمار اور ایک مضبوط سائنسی برادری شامل ہیں۔ ایران کی دولت کی دوسری بنیاد اس کے توانائی کے بڑے ذخائر ہیں۔

امریکہ کی اقتصادی پابندیاں، جنہیں باقی دنیا نے بالعموم نظر انداز کیا ہے، کوئی قابل ذکر اثر پیدا

نہیں کرسکی ہیں۔ ایران کے معاشی امراض اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں جو تیل کی قیمتوں میں کمی سے بگڑ گئے ہیں۔ امریکہ صرف اس میں کامیاب ہوا ہے کہ ایران کی تیل اور انجینئری کی امریکی تنصیبات کے لیے فالتو پرزے فراہم نہ ہوں۔ ایران اور لیبیا پر پابندیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ایشیا اور یورپ کی کمپنیوں کو ان معاہدوں میں کامیابی حاصل ہوئی ہے جن کو کانگریس نے زیادہ تجربہ کار اور بہتر ٹیکنالوجی کی حامل امریکی کمپنیوں کے لیے ممنوع قرار دے دیا تھا۔

مسجد کے باہر، ہمارے وفد کو کوئی ناخوشگوار صورت حال پیش نہیں آئی۔ بس یہ عمومی خواہش تھی کہ امریکہ سے ان کے تعلقات بحال ہو جائیں۔ اب تو ایران طالبان کے ساتھ خود بھی یرغمالیوں کے بحران سے گزر رہا ہے۔ درجنوں سفارت کار اور امدادی کارکن صرف اس جرم میں کہ افغانستان کی خانہ جنگی میں طالبان سے ہمدردی نہ رکھتے تھے، پکڑ کے رکھے گئے۔

وقت آ گیا ہے کہ امریکہ ایران سے مکالمے کا آغاز کرے۔ بحیرہ کیسپین (جس کے تیل کے ذخائر مستقبل کی عالمی معیشت میں فیصلہ کن کردار ادا کریں گے) کی طرف سفر کرتے ہوئے، شمال مشرقی ایران کے دور دراز دیہاتوں میں موجود ایرانی، مغرب سے رابطے کے خواہش مند ہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ۱۹۹۰ء میں اس خوب صورت علاقے میں زلزلے کی تباہی و بربادی کے بعد انسان اور فطرت نے کتنی جلد اس کے اثرات دور کر دیے ہیں۔ جہاں ارادہ ہو، بین الاقوامی تعلقات میں بھی، کیسی خرابی کیوں نہ ہو، بحالی کا راستہ مل ہی جاتا ہے۔

کلید، صدر خاتمی ہیں۔ اپنے کو خطرات میں ڈال کر وہ امریکہ دشمنی کے کئی عشروں پر محیط سرکاری پشت پناہی کے رجحان کو تبدیل کر رہے ہیں۔ مباحثہ میں امریکہ کو شیطان اعظم کے بجائے ایک عظیم تہذیب، جس کی کئی اقدار میں ایرانی بھی شریک ہیں، کا رخ دے رہے ہیں۔ خاتمی کی کامیابی میں امریکہ کے مفادات ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں، نہ اس کی جلدی ہے کہ واشنگٹن خاتمی کو کھلے عام گلے سے لگائے۔ اس طرح کرنا ان انقلابیوں کے ہاتھ میں کھیلنا ہوگا جو خاتمی پر اسلام سے غداری کا الزام لگاتے ہیں۔ امریکہ پابندیاں نرم کر کے خاتمی کی اور خود اپنی مدد کر سکتا ہے اور یہ اسے کرنا چاہیے، امریکہ کو چاہیے ریڈیو آزاد ایران کے منصوبے ایک طرف رکھ کر تہران میں اس وقت سوئس سفارت خانے کے امریکی مفادات

کے حصے میں ایک لائبریری کھولنے کی کوشش کرے۔

وقت آ گیا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ ایران، کلنٹن یا نئے امریکی صدر کے لیے یہ ممکن ہو گا کہ وہ رچرڈ نکسن کی اس پالیسی کے ہم پلہ کوئی پالیسی بنا سکیں جس کی بدولت چین امریکہ تعلقات میں بہتری پیدا ہوئی تھی۔

[ڈاکٹر ناتھن اوبرن یونیورسٹی منٹگمری میں اسکالر ھیں جبکہ سر ایلڈن برطانوی وزیراعظم مارگریٹ تھیچر کی کابینہ کے ۱۹۸۰ء میں رکن رھے ھیں۔ مدیر]